معجزہ (اللہ تعالیٰ کی قدرت)

تحریر: محمد امین اکبر

معجزہ کا مطلب عموعاً کسی نبی سے منسوب بات یا ایسا واقعہ لیا جاتا ہے جس کے سمجھنے سے انسانی عقل عاجز ہو جائے۔ قرآن کریم میں بہت سے انبیاء کے ساتھ بہت سے معجزات منسوب ہیں۔ بہت سے قرآنی فکر کے لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اس طرح کے تمام واقعات کا انکار کرتے ہوئے ایسے تمام واقعات کی مختلف تاویلات پیش کی ہیں یا ان واقعات کو استعارے کے طور پر لیا ہے۔ کچھ دوستوں کا خیال ہے کہ ایک چیز ہمارے لیے آج معجزہ ہے مگر کل وہ ہمارے لیے ایک عام بات ہوگی۔ اس کی مثال اس طرح دی جاتی ہے کہ ٹیلی فون پر بات کرنا آج سے دوسو سال پہلے ایک معجزہ تھا مگر آج یہ عام بات ہے۔ میرے خیال میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جن کے اسباب اور وجوہات عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ اسے مافوق الفطرت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ سب کچھ اسباب کے تحت ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے کام جن کے اسباب تو ہو مگر عام لوگوں کو پتہ نہ ہوں یا پتہ چلنے نہ دیئے جائیں شعبدہ کہلاتے ہیں۔ تخت سلیمان کے ہوا میں اڑنے پر کہا جاتا ہے کہ یہ آج کے انسان کے لیے عام بات ہے کہ جہاز میں اڑتا ہے، مگر میرا خیال ہے کہ اگر آج بھی کوئی تخت صرف دھات کا یا لکڑی کا بغیر کسی مشینری کے ہوا میں اڑنا شروع کر دے تو یہ معجزہ ہی ہوگا۔ یاد رہے کہ معجزات کا ظہور انبیائے کرام سے منسوب ہے اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں اُن کی کہی ہوئی باتیں شعبدہ میں نہیں آئیں گی۔

معجزہ کے بارے میں مولانا عبد الماجد دریا آبادی کی تفسیر ماجدی سے ایک اقتباس پیش ہے۔

''بشر کے محدود نقطہ نظر اور انسان کے ناقص علم کے اعتبار سے جو مستبعد، خلافِ معمول اور حیرت انگیز واقعہ کسی نبی کی تائید میں، ظاہری مادّی اسباب سے بے تعلق، ظہور میں آئے، اُسے اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ ایسے کسی واقعہ کو جس کا ثبوت رؤیت یا روایت، مشاہدہ یا نقل صحیح سے مل جائے، ''خلاف عقل'' کہہ کر اس کے امکان سے انکار کر بیٹھنا خود ایک انتہائی نادانی اور بے عقلی ہے۔ تاریخی عجائب سے آخر تاریخ لبریز ہی ہے۔ اور خوارق، نوادر، حوادثِ عجیبہ سے دنیا کا کون سا گوشہ، زمانہ کا کون سا دَور خالی رہا ہے؟ یا آج کس دن، کس تاریخ کے اخبارات خالی رہتے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ ایسے واقعات کو خلافِ معمول، خلاف عادت عامہ کہا جا سکتا ہے۔ اور ان کے روایتی ثبوت کا مطالبہ یقینا کرنا چاہیے۔ راویوں پر جرح بھی خوب کر لینا چاہیے۔ لیکن اس سے تجاوز کر کے اُن کے نفسِ امکان میں شک کرنا یا انہیں خلافِ عقل یا محال قرار دینا خود اپنی کم عقلی کا اظہار کرنا ہے۔ استبعاد جو کچھ بھی ہے، وہ تو صرف انسانی معیار سے ہے، انسان کے بہت ہی محدود و مختصر رقبۂ علم و تجربہ کے اعتبار سے ہے، ورنہ جو قادرِ مطلق ہے، اُس کے لیے تو ''حسب معمول'' اور ''خلافِ معمول'' سب ایک ہے۔ اور ''غریب'' و ''مانوس'' کا فرق اس کے لیے کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ ''وقوعِ'' اور ''امکان'' دو بالکل الگ چیزیں ہیں۔ اور انہیں کے غلط مبحث نے معجزہ

کے مسئلہ میں اتنی الجھن پیدا کردی ہے۔ امکان تو ہر چیز کا ہے۔ اللہ کے دائرہ قدرت کے اندر ہر بڑی سے بڑی چیز ہے۔ ناممکن تو اس کے لیے کوئی سی بھی چیز نہیں۔ لیکن وقوع پر یقین کرنے کے لیے ضرورت شاہدوں کی ہوتی ہے۔ اور جو واقعہ جس قدر عجیب اور معمول عام سے ہٹا ہوگا، اسی نسبت سے اُس پر یقین لانے کے لیے شہادت بھی زبردست ہونی چاہیے۔ یہ معجزات پر اصولی گفتگو تھی۔ باقی یہاں جس فرق البحر کا ذکر ہے، تو یہ سمندر کا پھٹ جانا اور درمیان میں خشکی کی راہ بن جانا کچھ ایسا زیادہ خارق عادت ہے بھی نہیں، کہ اس کہ نظیر کہیں ملتی ہی نہ ہو۔ بحری زلزلہ کے وقت ایسی صورتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ چنانچہ جنوری 1934ءؔ (رمضان 1352ھ) میں جو عظیم الشان زلزلہ بہار اور اطرافِ بہار میں آیا، اس موقع پر صوبہ کے صدر مقام، شہر پٹنہ میں دن دہاڑے کوئی ڈھائی بجے کے وقت، ایک مجمع کثیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گنگا جیسے وسیع وعریض دریا کا پانی چشم زدن میں غائب ہوگیا۔ اور اتنے چوڑے پاٹ میں بجائے دریا کے دھارے کے خشک زمین نکل آئی اور یہ حیرت انگیز اور دہشت ناک منظر چند سیکنڈ نہیں، چار پانچ منٹ تک قائم رہا، یہاں تک کہ دریا اسی برق رفتاری کے ساتھ یک بیک زمین سے اُبل کر پھر جاری ہوگیا!۔ واقعہ کی مفصل رُوداد ایک وقائع نگار کے قلم سے، انگریزی روزنامہ پانیر (لکھنو) کی 20 جنوری 1934ء کی اشاعت میں درج ہے!'' (اقتباس تفسیر ماجدی، تفسیر سورۃ البقرہ آیت 50)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں دریا کے پھٹنے کے اسباب چاہے کچھ بھی ہوئے ہو مگر اسباب سے ہٹ کر جو چیز اس واقعے انسانی ذہن کے لیے معجزہ بنا دیتی ہے وہ اس کی ٹائمنگ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کے سامنے سمندر، دائیں بائیں پہاڑیاں اور پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ۔ایسی ابتلا کے وقت میں سمندر میں راستہ بن جانا، بنی اسرائیل کا اس راستے سے باہر نکل جانا اور پھر جس وقت فرعون اور اس کا لشکر جب سمندر یا دریا کے درمیان میں تھے پانی کا واپس مل کر اُنہیں ختم کرنا انسانی ذہن کے لیے معجزہ اور رب تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی یہ قدرت بنی اسرائیل کو ان الفاظ میں یاد کرائی ہے

''یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے سمندر پھاڑ کر تمہارے لیے راستہ بنایا، پھر اس میں سے تمہیں بخیریت گزروا دیا، پھر وہیں تمہاری آنکھوں کے سامنے فرعونوں کو غرقاب کیا'' (سورۃ البقرہ آیت 50)

یعنی یہ تمام واقعہ ایسے وقت میں پیش آیا جب بنی اسرائیل کے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لڑنے لگے تھے کہ کیا مصر میں دفن ہونے کو زمین کم پڑ گئی تھی جو ہمیں یہاں بیابان میں فرعون کے ہاتھوں مروانے کے لیے لے آئے ہو۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو بچانا اور فرعون کو غرق کرنا بنی اسرائیل پر احسان عظیم اور اپنی قدرت کاملہ کا نمونہ دکھانا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا تو بہت یہودیوں نے ان پر اعتراض

کیا کہ اگر آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں تو ہمیں کوئی ظاہری نشانی دیکھائیں۔ اس ظاہری نشانی کے طور پر انہوں نے جو فرمائش کی وہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کوئی قربانی پیش کریں جسے ایک آسمانی آگ اٹھا کر لے جائے۔ یہودو کفار کی اس فرمائش پر اللہ تعالیٰ جو جواب تھا وہ قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے۔

''جن لوگوں نے کہا تحقیق اللہ نے عہد کیا ہے طرف ہمارے یہ کہ نہ ایمان لاویں واسطے کسی پیغمبر کے یہاں تک کے لاوے ہمارے پاس قربانی کہ کھا جاوٴے اس کو آگ کہہ تحقیق آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر پہلے مجھ سے ساتھ دلیلوں کے اور ساتھ اس چیز کے کہ کہا تم نے پس کیوں مار ڈالا تم نے اُن کو اگر ہو تم سچے'' (سورة آل عمران 183:3/)

یعنی ایسی بات کرنے والوں کو یہ جواب دیا گیا کہ پہلے بھی رسول اس طرح کی نشانیاں لے کر آتے رہیں ہیں جیسی تم کہہ رہے ہو کہ آگ آئے اور قربانی کو اُٹھا کر لے جائے مگر اس کے باوجود بھی تم لوگ ایمان نہیں لاتے تھے اور ان رسولوں کو ہی قتل کر دیا۔

جب قرآن نے کہہ دیا کہ ایسی بات ماضی میں ہو چکی ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ کفار کی فرمائش ماضی میں کئی دفعہ پوری کی جا چکی ہے۔ اس وقت یعنی جب اس طرح کا کوئی پیش آیا ہوا تھا تب بھی عقل کو عاجز کر دینے والا تھا، جس وقت قرآن نازل ہوا اُس وقت اس طرح کا واقعہ رونما ہوتا تو تب بھی مافوق الفطرت بات

ہوتی۔ اگر آج کے دور میں رونما ہوتو تب بھی معجزہ ہوگا۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس طرح کے مافوق الفطرت واقعات کبھی نہیں ہوئے۔

قربانی کو آگ کھا جائے، اس طرح کے واقعات بائبل میں تو کئی لکھے ہوئے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن میں کیا اس طرح کا کوئی قصہ ہے جس میں کسی رسول کی قربانی معجزانہ انداز میں قبول ہوئی ہو۔

''اور پڑھ اُوپر ان کے خبر دو بیٹوں آدم کی ساتھ حق کے جس وقت کہ نیاز لائے دونوں کچھ نیاز پس قبول کی گئی ایک کی ان دونوں میں سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے، کہا اس نے البتہ مار ڈالوں گا میں تجھ کو، کہا اس نے سوائے اس کے نہیں کہ قبول کرتا ہے اللہ پرہیزگاروں (متقین) سے ☆ البتہ اگر دراز کرے گا تُو طرف میری ہاتھ اپنا تو کہ مار ڈالے مجھ کو نہیں میں دراز کرنے والا ہاتھ اپنا طرف تیری تو کہ مار ڈالوں میں تجھ کو تحقیق میں ڈرتا ہوں اللہ پروردگار عالموں کے سے ☆ تحقیق میں ارادہ کرتا ہوں یہ کہ پھر جاوے تُو ساتھ گناہ میرے کے اور گناہ اپنے کے پس ہو جاوے تُو رہنے والوں آگ کے سے یہ ہے بدلہ ظالموں کا ☆ پس رغبت دلائی اس کو نفس اس کے نے مار ڈالنا بھائی اپنے کا پس مار ڈالا اس کو پس ہو گیا ٹوٹا پانے والوں سے ☆ پس بھیجا اللہ نے ایک کوا کہ کریدتا تھا بیچ زمین کے تو کہ دکھاوے اس کو کیونکر ڈھانک دے لاش بھائی اپنے کی کہا اے وائے مجھ کو کیا نہ ہوا مجھ سے یہ کہ ہوں میں مانند اس کوے کے پس ڈھانک دوں میں لاش بھائی اپنے کی پس ہو گیا پشیمانوں سے ☆ اسی

واسطے لکھا ہم نے اُوپر بنی اسرائیل کے یہ کہ جوکوئی مار ڈالے جی کو بغیر بدلے جی کے یا بغیر فساد کے بیچ زمین کے گویا کہ مار ڈالا لوگوں کو سب کو اور جس نے جِلا دیا اسکو پس گویا کہ جِلا دیا اس نے لوگوں کو سب کو اور البتہ تحقیق آئے ہیں ان کے پاس رسول ہمارے ساتھ دلیلوں ظاہر کے پھر تحقیق بہت ان میں سے پیچھے اس کے ہیں بیچ زمین کے حد سے نکل جانے والے'' (سورۃ المائدہ 5/27:5 تا 32)

یہ واقعہ بائبل میں کچھ اس طرح سے ہے۔

''پیدائش : باب 4۔ 2۔۔۔۔۔ہابل (ہابیل) بھیڑ بکریوں کا چرواہا اور قائن (قابیل) کسان تھا۔ 3۔ چند روز کے بعد یوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت کے پھل کا ہدیہ خداوند کے واسطے لایا۔ 4۔ اور ہابل بھی اپنی بھیڑ بکریوں کے کُچھ پہلوٹھے بچوں کا اور کُچھ اُن کی چربی کا ہدیہ لایا اور خداوند نے ہابل کو اُس کے ہدیہ کو منظور کیا۔ 5۔ پر قائن کو اور اس کے ہدیہ کو منظور نہ کیا اس لیے قائن نہایت غضبناک ہوا اور اس کا مُنہ بگڑا۔ 6۔ اور خداوند نے قائن سے کہا تو کیوں غضبناک ہوا؟ اور تیرا مُنہ کیوں بگڑا ہوا ہے؟ 7۔ اگر تو بھلا کرے تو کیا تو مقبول نہ ہوگا؟ اور اگر تو بھلا نہ کرے تو گناہ دروازہ پر دبکا بیٹھا ہے اور تیرا مشتاق ہے پر تو اس پر غالب آ۔''

بائبل کا واقعہ پڑھنے کے بعد قرآن سے پڑھنے پر صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بائبل میں اس واقعے میں کہاں کہاں تحریف ہوئی ہے۔ بائبل میں لکھا ہے کہ خدا قابیل

سے مخاطب ہوا، مگر قرآن پڑھنے پر پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کو نبوت کے لیے چُن کر اس کے ذریعے کلام کیا۔

ہابیل اور قابیل کے قصے میں براہ راست یہ تو نہیں لکھا کہ اُن میں سے ایک کی قربانی کو آگ نے جلا کر قبول کیا مگر یہ صاف لکھا ہے کہ ایک کی قربانی قبول ہوئی۔ اس واقعے سے معجزاتی آگ کے قربانی قبول کرنے کے پہلو کو نکال بھی دیا جائے تو بھی بہت سی باتیں غور طلب ہیں۔

یہ بات تو طے ہے کہ دونوں ہی نبوت کے امیدوار تھے تبھی دونوں اپنی اپنی نیاز اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لیے لے کر آئے۔ اس طریقہ کار کا حکم یقیناً حضرت آدم علیہ السلام کی توسط سے بذریعہ وحی ہوا ہوگا۔

ان میں سے ایک تو نبوت کے لیے چن لیا گیا۔ جسے نبوت کے لیے چُنا گیا اس سے تو اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کیا جسے اُس نے اپنے بھائی کو بھی بتایا یعنی اپنے بھائی کو کہا کہ

''کہا اس نے سوائے اس کے نہیں کہ قبول کرتا ہے اللہ پرہیزگاروں (متقین) سے ☆ البتہ اگر دراز کرے گا تُو طرف میری ہاتھ اپنا تو کہ مار ڈالے مجھ کو نہیں میں دراز کرنے والا ہاتھ اپنا طرف تیری تو کہ مار ڈالوں میں تجھ کو تحقیق میں ڈرتا ہوں اللہ پروردگار عالموں کے سے ☆ تحقیق میں ارادہ کرتا ہوں یہ کہ پھر جاوئے تُو ساتھ گناہ میرے کے اور گناہ اپنے کے پس ہو جاوئے تُو رہنے والوں آگ کے سے یہ ہے بدلہ

ظالموں کا"

ایک بات مزید ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے نبیوں پر وحی بھیجنے کے تین طریقے ہیں۔ پردے کے پیچھے سے کلام، دل پر وحی اور فرشتے کے ذریعے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی بھی ہے مگر وہ صرف ہابیل کے پاس آئی ہے۔ جسے انہوں نے قابیل سے بیان بھی کر دیا کہ اللہ تعالیٰ متقین کی قربانی قبول کرتا ہے اور اگر گناہ کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قابیل کو کیسے پتہ چلا کہ اُس کی قربانی قبول نہیں ہوئی۔ ایک جگہ اس کا جواب یہ پڑھا کہ ہابیل کو اپنے عقیدے سے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی قربانی قبول ہوئی ہے۔ مگر یہ ظاہری نشانی نہ ہوئی اس سے تو قابیل کا غصے میں آجانا فطری عمل ہے کہ شاید ہابیل اپنی طرف سے ہی کہہ رہا ہو کہ وہ نبی منتخب ہو گیا۔ ایک جواب یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت آدم کے توسط سے انہیں پتہ چلا ہو کہ کس کی قربانی یا نیاز قبول ہوئی ہے مگر اس سارے قصے میں حضرت آدم کا ذکر نہیں ہے۔ اگر یہ سب حضرت آدم علیہ السلام کے توسط سے ہوا ہوتا تو بائبل یا قرآن میں اس کا ذکر لازمی آتا۔ دوسرا اگر حضرت آدم علیہ السلام کے توسط سے نبوت ملنی تھی تو ہابیل اور قابیل سے نیاز رکھوانے کی کیا ضرورت؟

یہاں تو سیدھا سیدھا دونوں میں سے ایک کو بتانا تھا کہ ایک کی قربانی قبول ہوئی ہے اور دوسرے کی نہیں۔ ایک متقی ہے اور دوسرا نہیں۔ قربانی رکھنے سے پہلے بھی دونوں اسی فطرت کے مالک تھے جس کے قربانی رکھتے ہوئے تھے۔ یعنی ایک متقی

تھا اور دوسرا نہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی جانتے تھے کہ ایک متقی نہیں اسی لیے تو اُسے ظاہری نشان دکھانا تھا۔ یہ ظاہری نشان چاہے کچھ بھی ہو جس وقت یہ واقعہ ہوا اس وقت بھی عقل کو عاجز کر دینے والا تھا اور آج کے دور میں بھی انسان کے لیے معجزہ ہی ہے۔

اس واقعے میں ایک اور بات اور بھی ہے کہ

''پس بھیجا اللہ نے ایک کوا کہ کریدتا تھا بیچ زمین کے تو کہ دکھاوے اس کو کیونکر ڈھانک دے لاش بھائی اپنے کی کہا اے وائے مجھ کو کیا نہ ہوا مجھ سے یہ کہ ہوں میں مانند اس کوے کے پس ڈھانک دوں میں لاش بھائی اپنے کی پس ہو گیا پشیمانوں سے''

یہاں بھی کوے کا ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے آ جانا اور پھر لاش کو دفنانے کا طریقہ بتانا بھی معجزہ ہے۔

اصحاب فیل کے واقعے میں وجوہات چاہے کچھ بھی ہو اصل اہمیت وقت کو حاصل ہے۔ اس وقت (ٹائمنگ) نے ہی ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرو مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات اس لیے ملے تھے تا کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے طور پر دکھا سکیں۔ (سورۃ النمل آیت 12) (سورۃ القصص آیت 32)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں مصر میں جادوگری کا راج تھا۔ بادشاہ خود اُن کی سرپرستی کرتا تھا۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات دیئے وہ بظاہر جادوگری لگتے تھے۔ فرعون مصر اور اُس کے ساتھیوں نے بھی لاٹھی کے سانپ بن جانے کو جادو کہا۔ اسی گھمنڈ میں اُن جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چیلنج دے دیا کہ اپنے سانپ کا ہمارے سانپوں سے مقابلہ کرو۔ مقابلے میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سانپ جادوگروں کے سانپ کو کھا گیا تو ان جادوگروں کو یقین آ گیا کہ اس طرح کوئی جادو کا سانپ نہیں کر سکتا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام حق پر ہے اور اُن کا معجزہ پروردگار کی نشانیوں میں سے ہے۔ اسی لیے انہوں نے ایمان لانے میں بالکل بھی تاخیر نہیں کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو نشانیاں عطا ہوئی اُن کو مقصد بھی بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا تھا مگر انہوں نے سارے معجزات کو جادو کہا۔ (سورۃ المائدہ آیت 110)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہی کچھ نہ کچھ طبی ترقی کا آغاز ہوا۔ ان کے زیادہ تر معجزات طب سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ایسے بیماروں کا علاج کرتے تھے جن کا کوئی علاج نہ ہوتا۔ مردے کو زندہ کرنا، مٹی کے پرندے بنا کر اڑا دینا، مادرزاد اندھوں کو ٹھیک کرنا وغیرہ اُن کے نبی برحق ہونے کی نشانی تھے۔

امت محمدی میں جو معجزہ تا قیامت تک کے لیے ہے وہ قرآن کریم ہے۔ کوئی اس

جیسی ایک سورت نہیں لا سکا۔حالانکہ عربوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا ناز تھا۔قرآن کریم میں ایک چیلنج جو تمام لوگوں کو دیا گیا کہ اگر قرآن کو انسانی کلام سمجھتے ہو تو اس میں اختلاف ہو گا وہ اختلاف سامنے لا کر دکھاؤ۔آج تک کوئی قرآن میں اختلاف نہیں بیان کرسکا۔کوئی ثابت نہیں کرسکا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔

احباب سے گذارش ہے کہ اس حوالے سے اگر ہو سکے تو مزید رہنمائی اور علم میں اضافہ فرمائیں۔